مسلمانوں کے
قرآن مجید سے بُعد اور بیگانگی کے اسباب

—— از قلم: پروفیسر یوسف سلیم چشتی ——

یہ فکر انگیز مقالہ چشتی صاحب مرحوم نے ۱۹۷۶ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی تیسری سالانہ کانفرنس کے موقع پر پیش فرمایا تھا

آریائی ذہن تصوراتی (speculative) اور سامی ذہن عملی (practical) ہے۔ یونان، ایران اور ہندوستان، تینوں ملک فلسفہ و حکمت کا منبع تھے۔ لیکن اللہ کی حکمتِ بالغہ نے اپنے آخری اور کامل پیغامِ ہدایت کے لئے عرب کی زمین کو منتخب کیا جو منطق، فلسفہ اور حکمت کے اثرات سے پاک تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن درسِ فلسفہ پر عملِ صالح اور جہاد کو ترجیح دیتا ہے۔ واضح ہو کہ قرآن حکمت کا منکر یا اس کا دشمن نہیں ہے، بات صرف اتنی ہے کہ وہ بقول اقبال تصورات کے مقابلے میں عمل پر زیادہ زور دیتا ہے۔

(EMPHASISES DEED RATHER THAN IDEA)

قرآن صرف ایک اخلاقی نظام نہیں بلکہ وہ کامل دستور حیات ہے اور اسے نافذ کرنے کے لئے متکلمین کے بجائے مجاہدین کی ضرورت ہے۔

میرا ذاتی تجربہ ہے کہ منطق، فلسفہ اور کلام میں انہماک سے انسان کی عملی قوت (جو شرطِ جہاد ہے) بالکل افسردہ بلکہ مردہ ہو جاتی ہے، جبکہ اللہ یہ فرماتا ہے:

(۱) ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ۝﴾ (الصف : ۴)

(اللہ چاہتا ہے ان لوگوں کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں صف باندھ کر گویا وہ دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی۔)

(۲) ﴿اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ، یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ﴾

(التوبہ : ۱۱۱)

(اللہ نے خرید لی ہیں مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں، پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔)

مگر کسی منطقی یا فلسفی نے آج تک اپنی جان اللہ کے ہاتھ نہیں بیچی۔ اس لئے اللہ نے اپنے آخری پیغام کے لئے ایسی قوم کو منتخب کیا جو منطق، فلسفہ اور کلام تینوں علومِ "آلیہ" سے بیگانہ تھی۔ اس لئے کہ اللہ کو اپنے کلمۂ حق کو بلند کرنے کے لئے مجاہد درکار تھے نہ کہ منطقی۔ وہ ایسے آدمی چاہتا تھا جو "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" کا مصداق ہوں تاکہ وہ اللہ کے قانون کو بلا چون وچرا نافذ کر سکیں اور جب کوئی ان سے پوچھے کہ میاں تم ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟ کیا مقصد ہے؟ تو وہ یہ جواب دیں جو قیامت تک یادگار رہے گا : ہم خود نہیں آئے ہیں بلکہ "اِنَّ اللّٰہَ اَرسلنا لِنُخرِجَ النَّاسَ مِن ظُلماتِ الجھالۃِ وَجورِ المُلوکِ الٰی نورِ الایمانِ وَعدلِ الاِسلام" (ہمیں اللہ نے بھیجا ہے تاکہ ہم لوگوں کو جہالت کی تاریکیوں اور بادشاہوں کے ظلم سے نکال کر ایمان کی روشنی اور اسلام کے عدل وانصاف کی طرف لے آئیں۔)

قصہ مختصر، قرآن نے ان سے کہا :

(۱) تمہاری دنیا کی زندگی دراصل دھوکے کی پونجی ہے۔ یہ حقیقی (REAL) نہیں ہے۔ حقیقی زندگی تو مرنے کے بعد شروع ہوگی، لہٰذا اس کے حصول کے لئے کوشش کرو۔

﴿اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ، لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝﴾

(۲) یہ زندگی ان کو ملے گی جو دین الحق کی نشرواشاعت میں اپنی جان کھپائیں گے اور اپنی دولت خرچ کریں گے اور اللہ کو اپنا محبوب بنائیں گے۔

الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ۲۳ سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بحث نہیں کی، نہ منطقی، نہ کلامی، نہ سائنسی، نہ فلسفیانہ۔ مثلاً : (۱) نہ بحثِ ذات وصفات (۲) نہ بحث خیروشر (۳) نہ بحثِ جبرواختیار (۴) نہ بحثِ حدوث وقدمِ عالم (۵) نہ بحث حشرِ

اجساد (٦) نہ بحث وزن اعمال (٧) نہ کیفیتِ رویتِ باری تعالیٰ (٨) نہ کیفیت جنت و دوزخ (٩) نہ کیفیتِ وحی (١٠) نہ ماہیتِ نفسِ ناطقہ (١١) نہ ماہیت روح (١٢) اور نہ چگونگی اتصالِ نفسِ ناطقہ با جسم انسانی یا کیفیتِ انفصالِ نفس ناطقہ از جسم۔

یہی بارہ بنیادی سوال ہیں جو تین ہزار سال سے استخوانِ نزاع بنے ہوئے ہیں اور قیامت تک بنے رہیں گے کیونکہ ؎

انکشافِ رازِ ہستی عقل سے ممکن نہیں
فلسفی یاں کیا کرے اور سارا عالم کیا کرے!

اسی لئے حافظ شیرازی نے ہمیں مشورہ دیا تھا ؎

حدیث از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

قرآن حکیم نے اپنی تعلیمات کی بناء پر ساری دنیا سے جنگ مول لے لی۔

(١) سب سے پہلے مشرکوں کو ختم کیا (٢) پھر یہود کو زیر کیا بلکہ ختم کردیا (٣) پھر نصاریٰ کو محکوم بنایا اور دونوں کو خارج البلد کردیا۔ (٤) پھر عراق اور ایران کو فتح کیا' اور مجوسیت' مزدکیت اور مانویت کو ختم کردیا۔ (٥) پھر شام اور ارضِ روم اور ایشیاءِ کوچک کو فتح کیا اور نصرانیت اور انسان پرستی کو ختم کیا۔

گویا حسب ذیل اقوام کو اپنا دشمن جانی بنالیا :

(١) بت پرست (٢) ستارہ پرست (٣) آفتاب پرست (٤) انسان پرست (٥) مجوسی (٦) مزدکی (٧) مانوی (٨) یہودی (٩) عیسائی--- دوسرے لفظوں میں اسلام نے پہلی صدی ہجری ہی میں ساری دنیا کو اپنا دشمن بنالیا۔

ا۔ انتقامِ یہود

یہودی قوم نے انتقام میں سبقت کی۔ ٣٠ھ میں عبد اللہ ابن سبا یہودی منافقانہ طور پر اسلام لایا اور اس نے مسلمانوں کو خدا پرستی کے بجائے شخص (انسان) پرستی کی تعلیم دی۔

اس طرح اسلام میں ایک ایسا فرقہ پیدا ہو گیا جس نے قرآن کے بجائے ایک خاندان کو، اور اللہ کے بجائے ایک شخص کو اپنا محبوب اور مطلوب بنالیا۔ اس طرح ایک فرقہ بندی بھی پیدا کر دی جس سے اللہ نے اجتناب کا حکم دیا تھا، بمفوائے الفاظ قرآنی :

﴿وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا﴾ (الروم : ۳۰)

(اور مت ہو شرک کرنے والوں میں۔ جنہوں نے کہ پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے ان میں بہت فرقے، ہر فرقہ اس پر جو اس کے پاس ہے اس پر فریفتہ ہے۔)

مزید بر آں اس فرقے کی توجہ قرآن سے ہٹ کر چند افراد پر مبذول ہو گئی اور اس نے جہاد کے بجائے رنج و غم کو اپنا شعارِ حیات اور امتیازی نشان بنالیا۔ حالانکہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ رنج و غم تین دن سے زیادہ مت کرو مگر ہم (یعنی نہ صرف وہ فرقہ بلکہ امت کے سوادِ اعظم کی بھی بڑی تعداد) اس کارِ خیر میں مصروف ہیں اور اللہ کے فضل سے ہر سال اس کی کمیت اور کیفیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

۲۔ انتقامِ ایران

یہود کی کامیابی کے بعد ایران نے انتقام کا سلسلہ شروع کیا۔ طرفہ قیامت یہ ہو گئی کہ جوں جوں ایرانی انتقام میں شدید ہوتے چلے گئے مسلمان اندرونی خلفشار کی وجہ سے، جو عبداللہ ابن سبا نے پیدا کر دیا تھا، تمسک بالقرآن میں ضعیف ہوتے چلے گئے۔

یہود نے انتقام اس طرح لیا کہ مسلمانوں کی توجہ قرآن کے بجائے چند اشخاص کی طرف مبذول کر دی اور ایرانیوں نے اس طرح کہ مسلمانوں کی توجہ قرآن کے بجائے فلسفیانہ اور کلامی مسائل کی طرف منعطف کر دی۔ چونکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایران فتح کیا اس لئے ایرانیوں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے دشمنی اور دشنام کو اپنا قومی شعار بنالیا اور ہنوز یہی جذبات کار فرما ہیں۔ چنانچہ ایک ایرانی شاعر فردوسی نے اپنے معاندانہ جذبات کا اظہار ایرانی قوم کی زبان سے یوں کیا ہے:

ز شیرِ شتر خوردن و سوسمار
عرب را بجائے رسیدست کار

کہ تختِ کیاں را کنند آرزو
تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو!

سچ کہا ہے کسی نے ع باآلِ عمرؓ کینہ قدیم است عجم را!

قصہ مختصر مسلمان عجم میں آکر فلسفیانہ مسائل میں ایسے منہمک ہوئے اور پھر ایسے الجھے کہ ابھی تک نجات نہیں پاسکے اور میری بصیرت یہ کہتی ہے کہ صورِ اسرافیل تک الجھے رہیں گے۔ کیونکہ کہاں مباحثے اور مجادلے کی لذت وراحت اور کہاں میدان جنگ کی صعوبت و کلفت۔

یاد رکھو! منطق اور فلسفہ اور کلام میں انہماک کالازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ قوم جہاد اور قتال سے بیگانہ محض ہو جاتی ہے۔ اس کا ثبوت درکار ہو تو تاریخ ہند کا مطالعہ کافی ہو گا۔ صرف ایک مثال درج کئے دیتا ہوں۔ جب گیارہویں صدی عیسوی (پانچویں صدی ہجری) میں محمود غزنوی نے ہندوستان کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندنا شروع کیا تو یہ زمانہ ہندوستان میں منطق، فلسفہ اور کلام کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس موقع پر اگر میں اس عروج کی تفصیل بیان کرنے لگوں تو اپنے موضوع سے بالکل منقطع ہو جاؤں گا، اس لئے اِس وقت صرف یہ کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ اُس زمانے میں ہندوستان جنت نشان میں صرف فلسفے کے چالیس مختلف النوع مدارسِ فکر (بیس سے زائد صرف ہندو مت میں اور اٹھارہ بدھ مت، جین مت اور چارواک میں) موجود تھے جو رات دن مناظروں اور مباحثوں میں مشغول رہتے تھے۔ نتیجہ اس اشتغال بالفلسفہ والمنطق کا یہ نکلا کہ پوری قوم جنگی اسپرٹ سے بیگانہ ہو گئی تھی۔ منطق اور فلسفے نے ہندوؤں کے قوائے عملیہ کو ضعیف کر دیا تھا اور وہ کسی جنگ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ جس طرح چوتھی صدی ہجری میں بغداد کے مسلمانوں نے اسماعیلیوں کو تین لاکھ اشرفیاں پیش کی تھیں کہ حجرِاسود واپس کردو، اسی طرح پانچویں صدی میں سومنات کے ہندوؤں نے محمود کو دس لاکھ اشرفیاں پیش کی تھیں کہ بت کو مت توڑو۔ محمود نے کہا "میں بت فروش بننے کے بجائے بت شکن بننا پسند کرتا ہوں، میں نہیں چاہتا کہ تاریخ میں میرا نام محمود بت فروش درج کیا جائے۔"

گویا یہود کی طرح ایران نے بھی انتقام لے لیا یعنی مسلمانوں کو رفتہ رفتہ قرآن سے

بُعد ہوتا چلا گیا اور نتیجتاً جہاد کا تصور دماغ سے محو ہوتا چلا گیا۔ جہاد بالسیف سے بیگانگی کا نتیجہ ۱۲۵۸ء میں ظہور پذیر ہوا جب ہلاکو نے آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے مشہور سبائی مشیرِ خاص نصیرالدین طوسی کے مشورے اور رسوائے زمانہ سبائی وزیر اعظم ابن علقمی کے ایماء سے بغداد کو فتح کرکے دریائے دجلہ کو پندرہ لاکھ منطقی، فلسفی، متکلم، شاعر، موسیقار، منجم و مہندس مسلمانانِ بغداد کے خونِ بے حمیت و بے غیرت سے سرخ کردیا۔ اور سعدی شیرازی نے اپنی آنکھوں سے خونباری کے بعد آسمان کے لئے بھی جواز پیدا کردیا۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوالِ مُلکِ مستعصم امیر المومنین

اگر مسلمان جہاد کی لذت سے بیگانہ نہ ہو گئے ہوتے تو ایک نہیں دس ہلاکو بھی بغداد کو فتح نہیں کرسکتے تھے۔ لیکن جب سلاطینِ عباسی کے محلوں میں جارجیہ اور سرکاشیہ کی حسین ترین لڑکیاں ہزاروں کی تعداد میں جمع تھیں تو ایسے عالمِ ہوش ربا میں جہاد کا خیال کس کافر کے دماغ میں آسکتا تھا؟

فٹن نفیس، سڑک خوشنما، ڈنر ہر شب
یہ لطف چھوڑ کے حج کا سفر! یہ خوب کہی!
(اکبر)

ایرانیوں نے کمال چابکدستی سے اسلام کے ظاہری ڈھانچے کو تو قائم رکھا مگر اس میں سے روح نکال دی۔ یعنی مسلمانوں کو قرآن سے بیگانہ کردیا اور قرآنی تعلیم کی جگہ اسلام کا ایک نیا ایڈیشن مرتب کردیا جس میں سب کچھ تھا مگر جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر نہ تھا۔ سچ کہا اکبر نے۔

بہت ہی کم پائے اپنے عارف، کلامِ باری نے ہم میں آکر
سرے سے بگڑا ہے سچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آکر

۳۔ تصوف میں غیر اسلامی عقائد کی آمیزش

قرآن سے بُعد و بیگانگی کی تیسری وجہ یہ ہوئی کہ ایران میں آکر جس طرح اسلام میں

شرک اور شخصیت پرستی کے ناپاک عناصر داخل ہو گئے اسی طرح تصوف میں غیر اسلامی عقائد داخل ہو گئے اور وہ تصوف جو عبارت تھا جہاد و مجاہدہ سے وہ بالکل "ترکِ دنیا، ترکِ عقبیٰ، ترکِ مولیٰ، ترکِ تُرک" یعنی سراسر Renunciation اور رہبانیت بن گیا اور مساجد ویران اور خانقاہیں معمور ہوتی چلی گئیں۔ اور یہ ایرانیوں نے انتقام کی تیسری شکل اختیار کی کہ مجاہدوں کو گوشہ نشین بنا دیا۔

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کردو مزاجِ خانقاہی میں اسے

اور کس قدر صحیح نقشہ کھینچا ہے۔

فقیراں تا بمسجد صف کشیدند
گریبانِ شہنشاہاں دریدند!
چو آں آتش درونِ سینہ افسرد
مسلماناں بدرگاہاں خزیدند!

چنانچہ قرآن سے بے تعلقی کا ایک اہم سبب یہ خانقاہیں بن گئیں۔ دراصل ان کا واضح اور معیّن مقصد تو یہ نہیں تھا کہ مسلمان قرآن سے بیگانہ ہو جائیں مگر شام، عراق، ایران، ترکستان اور ہندوستان ان سب ممالک میں حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ ان خانقاہوں کی چار دیواری سے قرآن آہستہ آہستہ خارج ہوتا چلا گیا۔

جو خدا کا نام لے سکتے تھے وہ رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن!

(بہ تبدیلی الفاظ)

بے شک سلطان الہند نظام الدین اولیاءؒ اور ان کے خلیفہ حضرت چراغ دہلیؒ کی خانقاہوں میں قال اللہ تعالیٰ اور قال الرسول ﷺ کی آوازیں بھی بلند ہوتی تھیں مگر پندرھویں صدی سے قرآن ان خانقاہوں سے یعنی صوفیوں کے نصابِ تعلیم سے خارج ہو گیا اور صوفیوں کا مقصد حیات صرف ذکر اور مراقبہ بن گیا۔

یہاں ایک اہم نکتے کی وضاحت کر دوں، میرے اس قول سے کہ "صوفیوں کا مقصدِ حیات صرف ذکر و مراقبہ تھا" کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ میں ذکر و مراقبے کی افادیت اور اہمیت کا منکر ہوں۔ یہاں جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ عموماً صوفیاء ساری عمر ذکر اور مراقبے میں بسر کر دیتے ہیں حالانکہ ذکر و مراقبہ مقصود بالذات ہرگز نہیں ہے بلکہ مقصود بالعرض ہے۔ یہ اس لئے کرایا جاتا ہے کہ سالک کے نفس کا تزکیہ ہو جائے اور وہ سلطانِ جائر کے سامنے کلمۂ حق کہہ سکے۔ لیکن ایک عرصۂ دراز سے ذکر اور مراقبہ ہی مقصود بالذات بن چکا ہے۔ اب کوئی کلمۂ حق کہنے والا، ان خانقاہوں سے (جو پاکستان میں شاد اور آباد ہیں) میدان میں نہیں آتا۔ اسی لئے تو اقبال نے کہا ۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

اس شعر میں تلمیح ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی طرف کہ ساقی کا فیض غیر مشروط نہیں ہے، وہ راستہ ضرور دکھاتے ہیں مگر انہی کو جو ان کے لئے مجاہدہ کریں۔ افرنگی صوفوں پر بیٹھنے والے فیض یاب نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ یہ قانون الٰہی ہے :

﴿ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾
(العنکبوت : ۶۹)

(اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں۔)

چنانچہ خود اقبال ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں ۔

ایں چنیں دل خود نگر، اللہ مست
جز بدرویشی نہ مے آید بدست!

۴۔ اشتغال بالحدیث

قرآن سے بے تعلقی کی چوتھی وجہ اشتغال بالحدیث ثابت ہوا اور اس میں غیر معمولی انہماک کی وجہ یہ ہوئی کہ سبائیوں، زندیقوں، منافقوں اور ایرانیوں نے محض انتقام لینے کے جذبے سے سرشار ہو کر لاکھوں جھوٹی حدیثیں وضع کر کے مسلمانوں میں

شائع بھی کردیں اور کتابوں میں درج بھی کردیں اور منافقانہ طور پر مسلمان بنکر اسلامی مدارس میں ان احادیث کادرس بھی دیااور انہیں سادہ لوح مسلمانوں کے ذہنوں میں اس طرح پیوست کردیاکہ وہ ایک ہزار سال گزر جانے کے باوجود ہنوز جزوِایمان و عقائد بنی ہوئی ہیں۔ اگر ان کی مثالیں دوں تو پھر اپنے موضوع سے بہت دور چلا جاؤں گا۔ سامعین بطور خود "موضوعاتِ کبیر" مصنفہ ملاعلی قاری ؒکامطالعہ کریں۔پانچ سو جھوٹی حدیثیں تو مجھے بھی معلوم ہیں ۔ اسی لئے ایک ایک روایت کی تحقیق کے لئے مسلمانوں کوہزاروں میل کا سفر طے کرناپڑااور جب امام اسمٰعیل بخاریؒ نے مشہورِعالم مجموعۂ احادیث مرتب اور مدون کیاتو چھ لاکھ حدیثوں میں سے صرف تین ہزار قبول کیں۔

میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ حدیثوں کی چھان پھٹک میں مسلمان اس قدر منہمک ہو گئے کہ قرآن کی طرف وہ توجہ مبذول نہ کرسکے جس کاوہ مستحق تھااور وہ پس منظر میں چلا گیا۔

۵۔ اشتغال بالفقہ

قرآن سے بُعد و بیگانگی کی پانچویں وجہ یہ ہوئی کہ حکومت میں عہدہ حاصل کرنے یا مجسٹریٹ اور جج بننے کے لئے صرف فقہ کی ضرورت تھی۔اس لئے مسلمانوں کی توجہ قدرتی طور پر تحصیلِ فقہ کی طرف مبذول ہوگئی اور قرآن بیک گراؤنڈ میں چلا گیا۔ اس لئے کہ جب صرف فقہ پڑھ کر عزت اور حکومت مل سکتی ہے توکوئی قرآن کیوں پڑھے؟

۶۔ ملوکیت کااثر

قرآن سے بیگانگی کی چھٹی وجہ یہ ہوئی کہ جب مسلمانوں میں ملوکیت مستحکم ہوگئی تو ملوک اور سلاطین نے علماء کو مشورے کے رنگ میں حکم دیا یا حکم کے رنگ میں مشورہ دیا کہ مسلمانوں کی توجہ حدیث اور فقہ پر مبذول کردو۔اپنے حلقہ درس میں قرآن کی تعلیم عام مت کروکیونکہ اس کی زد بہرحال ملوکیت پر پڑے گی۔

زیرِ گردوں آمری از قاہری است
آمری از ماسوی اللہ کافری است

اور

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

ظاہر ہے کہ ہارون اور مامون سے لے کر شاہجہان اور عالمگیر تک سب کی نفی ہو جائے گی اور یہ لوگ بقول اقبال بت بن جائیں گے۔ مسلمان حکمرانوں کو نہ اس کی ضرورت تھی نہ وہ یہ چاہتے تھے کہ عوام قرآنی تعلیمات سے آگاہ ہو کر کوئی انقلاب برپا کریں اور اس طرح ان کے عیش میں خلل پڑے۔ رہے علماء اور صوفیاء تو وہ خود قرآن سے بے تعلق تھے یا غیر جانبدار کہہ لو۔ نہ اقرار می کنم و نہ انکار می کنم۔ علماء کا مبلغِ علم فقہ تھا اور صوفیاء کا منتہائے پرواز بلکہ مقصدِ حیات ذکر و مراقبہ' تو وہ قرآن کا ترجمہ کیوں کرتے؟ تو جب سلاطین' نوابوں' جاگیرداروں' اور سرمایہ داروں کا فائدہ اس میں تھا کہ عوام قرآن سے بیگانہ رہیں تو علماء اور صوفیاء پاگل تھے جو سلاطین سے ٹکر لیتے؟ اور اپنے وظیفے بند اور جاگیریں ضبط کراتے؟ نہ ہر عالمِ دین امام ابن تیمیہؒ ہو سکتا ہے اور نہ ہر صوفی صافی امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ ہو سکتا ہے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار!

۷۔ درسِ نظامی میں قرآن سے اعراض

قرآن سے مسلمانوں کی بیگانگی کی ساتویں وجہ یہ ہوئی کہ جب اورنگزیب کے عہد میں ملا نظام الدین سہالوی نے مشہورِ عالم درسِ نظامیہ مدون کیا (جو گزشتہ تین سو سال سے بجنسہٖ و بعینہٖ ہمارے عربی مدارس پر حکمران ہے) تو اس میں منطق کی تو پندرہ[1] کتابیں رکھیں لیکن قرآن کے صرف ڈھائی پارے اور وہ بھی بطورِ تبرک۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عربی مدارس کے طلبہ کے دماغوں میں' جو آگے چل کر علماء بنتے ہیں' قرآن کی کوئی اہمیت سرے سے جاگزیں نہیں ہو پاتی اور وہ قرآن سے متعلق کسی موضوع پر نہ تقریر کر سکتے ہیں اور نہ چار سطریں لکھ سکتے ہیں' الاماشاء اللہ!

(1) حاشیہ مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں)

نوٹ : تقلید کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے علماء جو آج ۱۹۷۶ء میں مصروفِ درس و تدریس ہیں' وہ اتنی جرأت نہیں رکھتے کہ اس نصاب میں جو ۱۶۸۶ء میں مدون ہوا تھا' کوئی تبدیلی کر سکیں۔ اسی لئے عام طور پر نئے فاضلینِ درسِ نظامی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ تبوک مدینے سے کتنے میل دور ہے؟ اور ہے کہاں؟ جنگِ یرموک کب واقع ہوئی تھی؟ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کس سن میں ہوا تھا؟ وَقِس علیٰ ھذا!!

۸۔ عربی زبان سے عدم توجہی

قرآن سے بیگانگی کی آٹھویں وجہ یہ ہے کہ نہ صرف ایران بلکہ عالمِ اسلام کے تمام مشرقی ممالک میں دفتری زبان فارسی ہو گئی اور عربی کی حیثیت صرف ثانوی رہ گئی۔ چنانچہ جب صرف "کنز" اور "قدوری" پڑھ کر ایک مسلمان کو سرکاری عہدہ مل سکتا تھا تو وہ قرآن پر عرق ریزی کیوں کرتا!

۹۔ جاگیرداری کا اثر و رسوخ

قرآن سے دوری کی نویں وجہ یہ ہے کہ سرمایہ داروں' نوابوں اور جاگیرداروں کو قرآن میں اپنی موت نظر آئی۔ چنانچہ علامہ اقبال فرماتے ہیں ۔

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ
دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ
با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ
آنچہ از حاجت فزوں داری بدہ
ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا

دِہ خدایا نکتہ از من پذیر
رزق و گور از وے بگیر او را مگیر

باطنِ "الارضُ لِلّٰہ" ظاہر است
ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است
حق زمیں را جز متاعِ ما نگفت
ایں متاعِ بے بہا مفت است و مفت

تو ان لوگوں نے کوشش کی کہ قرآن کی تعلیم عام نہ ہونے پائے اور یہ لوگ اپنے اثر و رسوخ اور مال و زر کی بنا پر اپنے مقصدِ مشوم میں کامیاب ہو گئے اور مسلمان قرآن سے بیگانہ ہوتا چلا گیا۔

۱۰۔ حکومت اور دولت کا حصول

قرآن سے بیگانگی کی دسویں اور آخری وجہ یہ ہوئی کہ جب عوام اور خواص' حکومت اور اس کے نتیجے میں دولت سے مستفید ہوئے تو وہ تمام عیوب ان میں پیدا ہو گئے جو حکومت اور دولت کا منطقی نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ عیوب مثلاً عقیدے کی خرابی بلکہ خرابیاں' غیر اسلامی رسوم پر عمل اور انہیں داخلِ اسلام سمجھنا اور خلافِ قرآن زندگی بسر کرنا' یہ چیزیں اس قدر محبوب ہو گئیں کہ مسلمانوں کا مذہب بن گئیں (تفصیل میں مصلحتاً جانا نہیں چاہتا کیونکہ تفصیل میں بعض عناصر کی نشاندہی کرنی پڑے گی اور یہ بات خلافِ مصلحت ہے)۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفلِ رنداں خبرے نیست کہ نیست!

اب قرآن تو ان سب باتوں کا دشمن ہے' مثلاً قرآن کہتا ہے :

﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ۝ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ ' وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ' وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ﴾ (فاطر : ۱۳-۱۴)

(اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوا وہ مالک نہیں کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے۔ اگر تم ان کو پکارو سنیں نہیں تمہاری پکار' اور سنیں تو پہنچ نہ سکیں تمہارے

کام پر، اور قیامت کے دن منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے۔)
"قطمیر" وہ سفیدی ہے جو کھجور کی گٹھلی کے سرے پر پائی جاتی ہے اور اس سے کم تر اور بے قیمت چیز عربوں کے یہاں موجود نہیں تھی۔

یہ صرف ایک آیت ہے، قرآن میں اسی مضمون کی سینکڑوں آیات ہیں۔ تو ان طبقات نے جو سلاطین، امرا، علماءِ سوء اور صوفیاءِ سوء پر مشتمل تھا ایسی کوشش کی کہ عوام اور خواص دونوں قرآن سے بیگانہ ہو جائیں تاکہ ہماری غیر قرآنی زندگی اور عقائد و رسوم اور طرزِ حیات پر گرفت نہ کر سکیں بلکہ شرک اور اولیاء پرستی اور قبور پرستی اور آثار پرستی، سب کو عین اسلام سمجھیں۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب عوام اور خواص قرآن سے بیگانہ ہو جائیں۔ چنانچہ چاروں طبقات کی ملی بھگت سے مسلمان قرآن سے بیگانہ ہو گئے۔

وَما افسدا الدین الا الملوک
و احبار سوء و رھبانھا

اور یہ بھی غالباً اسی ملی بھگت کا نتیجہ تھا کہ پورے ایک ہزار برس تک قرآن حکیم کا مسلمان اقوام کی مادری زبانوں میں ترجمہ کرنے کی مخالفت کی گئی۔ واللہ اعلم!

جب ۱۲۰۶ء میں مسلمانوں کی حکومت ہند میں قائم ہوئی تو مسلمان جو اسلام اپنے ساتھ لائے اس کا منبع و مبنیٰ قرآن نہیں تھا بلکہ صرف علمِ فقہ تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ سلاطینِ دہلی یا علماءِ ہند نے قرآن کا ہندوستان کی زبانوں میں ترجمہ کرنے کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ یہ کام اللہ کے ایک برگزیدہ بندے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۱۷۴۰ء کے قریب انجام دیا۔ یعنی مسلمانوں کی حکومت کے قیام سے پانچ سو سال کے بعد شاہ صاحب کا فارسی ترجمہ شائع ہوا، کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ مسلمان قرآن سے بالکل بیگانہ ہو چکے تھے۔

یہ کہے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا کہ انگریزوں کی حکومت باضابطہ طور پر ۱۷۷۲ء میں قائم ہوئی اور حکومت نے اپنی نگرانی میں ۱۷۹۲ء میں پوری بائبل کا ترجمہ بنگلہ زبان

میں شائع کر دیا اور اس کے بعد ۱۸۰۶ء میں بائبل کا ترجمہ فارسی زبان میں شائع ہو گیا اور یہ تراجم حکومت کی سرپرستی میں شائع ہوئے اور ۱۸۴۰ء میں مرزا پور سے بائبل کا ترجمہ اردو میں شائع ہوا اور اس کے بعد ہندی میں۔

ہندوستان میں اٹھارہ زبانیں ہیں اور دو سو بولیاں۔ آج بائبل کا ترجمہ ان ساری زبانوں میں موجود ہے اور سامعین کی معلومات کے لئے یہ بھی بیان کئے دیتا ہوں۔ بائبل کا ترجمہ دنیا کی سات سو پینسٹھ (۷۶۵) زبانوں میں ہو چکا ہے اور طالبین کو برائے نام قیمت پر مل سکتا ہے۔ دوسری طرف ہم ہیں کہ ہم نے چھ سو برس حکومت کی' اور ہندوستان کی چھ زبانوں میں بھی قرآن کا ترجمہ نہیں کیا۔ ہندوستان میں ہندی زبان میں قرآن کا پہلا ترجمہ ۱۹۲۶ء میں خواجہ حسن نظامی نے شائع کیا تھا۔

علماء کی تنگ نظری ملاحظہ ہو! فارسی میں ترجمہ کرنے کے "جرم عظیم" میں مولویوں نے بعض لوگوں کو شاہ صاحب (ولی اللہؒ) کے قتل پر آمادہ کیا۔ لیکن دشمنان دین اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

۱۸۰۵ء میں یعنی قیام حکومت کے چھ سو سال بعد شاہ ولی اللہؒ کے فرزند شاہ عبدالقادرؒ نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ کیا۔ ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی حکومت کا چراغ' جو ۱۸۰۳ء سے ٹمٹما رہا تھا' گل ہو گیا۔ "مسلماناں در گور و مسلمانی در کتاب"۔ انگریزی حکومت کے زیر اثر مسلمان عوام قرآن تو کجا اسلام ہی سے بیگانہ ہو گئے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

بیسویں صدی میں سب سے پہلے اکبر نے مسلمانوں کو قرآن کی طرف بلایا۔

مغوی تو ملیں گے تمہیں شیطان سے بہتر
ہادی نہ ملے گا کوئی قرآن سے بڑھ کر!

ان کے بعد اقبال نے مسلمانوں سے کہا۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

لیکن مسلمان من حیث القوم ہنوز قرآن سے بیگانہ ہیں۔ ان کی زندگی میں سب کچھ داخل ہے مگر قرآن داخل نہیں ہے' جبھی تو اقبال نے کہا۔

بہ بندِ صوفی و ملا اسیری
حیات از حکمتِ قرآں نگیری
بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسینِ او آساں بمیری

حرف آخر

فی الجملہ یہ بات میرے لئے باعثِ صد مسرت ہے کہ میرے عزیز بھائی ڈاکٹر اسرار احمد سلمہ' نے مسلمانوں کو قرآن حکیم سے روشناس کرنے کے لئے ایک منظم تحریک کا آغاز کر دیا ہے تاکہ مسلمانانِ پاکستان اپنے اندر وہ باطنی انقلاب پیدا کر سکیں جس کے نتیجے میں وہ خارج میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر ملت کی اور کوئی خدمت نہیں ہو سکتی کہ مسلمانوں کو قرآن کی طرف بلایا جائے اور ان کو اس حقیقت سے آگاہ کیا جائے کہ:-

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست؟
زیرِ گردوں سِرِّ تمکینِ تو چیست
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ او لایزال است و قدیم
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

واضح ہو کہ تعمیرِ فکر کے لئے سب سے پہلے تطہیرِ فکر لازمی ہے اور تطہیرِ فکر قرآن حکیم میں تدبّر کے بغیر محالِ عادی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ برادر عزیز القدر کو اپنے مقاصد میں

کامیابی عطا فرمائے۔ آخر میں سامعین کے لئے اقبال کا ایک شعر بطور ارمغاں پیش کرتا ہوں۔

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات
در ضمیرش دیدہ اَم آبِ حیات

۱؎ صغریٰ۔ کبریٰ۔ قال اقول۔ میزان المنطق۔ بدیع المیزان۔ تہذیب۔ شرح تہذیب۔ مرقاۃ قطبی۔ میر قطبی۔ سلم العلوم۔ ملا حسن۔ ملا مبین۔ قاضی مبارک۔ حمد اللہ (اور میرے بچپن میں غلام یحییٰ بھی داخلِ درس تھا)۔

میرٹ اسکالرشپ

تین سال کے لئے ایک ہزار روپے ماہانہ کی بنیاد پر ایک اسکالرشپ دستیاب ہے جو ایسے طالب علم کو دیا جائے گا جو **قرآن کالج** سے بی اے کا تین سالہ کورس مکمل کرنے کا عزم رکھتا ہو۔

- درخواست دینے والے طلبہ میں سے انتخاب ان کے انٹر کے نمبر اور تحریری ٹیسٹ کے نمبروں کی بنیاد پر ہوگا۔
- حفاظ قرآن کو دس نمبر اضافی دیئے جائیں گے۔
- رفقاء تنظیم اسلامی اور اراکین مرکزی انجمن خدام القرآن کے بچوں کو بھی دس نمبر اضافی ملیں گے۔
- اسکالرشپ حاصل کرنے والے طالب علم کیلئے قرآن کالج ہاسٹل میں رہائش رکھنا لازم ہوگا۔
- تعلیمی کارکردگی تسلی بخش نہ ہونے کی صورت میں اسکالرشپ معطل یا منسوخ کیا جاسکتا ہے۔
- کسی بھی بنیاد پر کالج / ہاسٹل سے اخراج کی صورت میں اسکالرشپ خود بخود منسوخ ہو جائیگا۔

اسکالرشپ کے لئے درخواست دینے والے خواہش مند طلبہ ۱۵ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر کورس اور کالج کے نظم و نسق سے متعلق تفصیلات حاصل کرسکتے ہیں۔

المعلن : پرنسپل قرآن کالج، 191۔ اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور